قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین

کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ترتیب وتدوین: سید برہان علی ۔ حافظ محمد زاہد

سُورَةُ الْمُلْك

انتیسویں (۲۹) پارے میں کل گیارہ سورتیں ہیں جو تمام کی تمام مکی ہیں اور یہ تمام سورتیں دو دو رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین کا بھی تقریباً وہی انداز ہے جو اس سے پہلے والی مکی سورتوں (سورۂ قٓ تا سورۃ الواقعہ) کا ہے‘ یعنی قیامت‘ جزاء وسزا اور جنت ودوزخ کا تذکرہ۔ یوں سمجھئے کہ انذار وتبشیر جو نبوت ورسالت کا اصل مقصد ہے‘ اس میں جو انذار کا پہلو ہے وہ ان تمام سورتوں میں غالب ہے۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں بعض مقامات پر فلسفہ وحکمت قرآن کے اعتبار سے بہت اہم آیات آئی ہیں جن پر خصوصی توجہ درکار ہے۔

ان سورتوں میں سے پہلی سورۃ ''الملک'' ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خلّاقی بڑے پُرجلال انداز میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا
تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ
كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾

''بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس کے ہاتھ میں ہے اصل بادشاہی اور اختیار‘ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ جانچ لے کہ کون تم میں نیک اعمال کرتا ہے۔ اور وہ زبردست‘ بخشنے والا ہے۔ اُسی نے سات آسمان بنائے ہیں ایک دوسرے پر تہہ در تہہ۔ (اے دیکھنے والے) کیا تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟ ذرا اپنی نگاہ دوڑاؤ کیا تمہیں (آسمان میں) کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) اپنی نگاہ کو دوڑاؤ تو (ہر بار) تمہاری نگاہ ناکام اور تھک ہار کر واپس آ جائے گی۔''

آیت ۶ سے ۱۱ تک کفار اور ان کے انجامِ بد کا تذکرہ ہے اور اس ضمن میں جہنم کے داروغہ اور کفار کے درمیان ہونے والے ایک مکالمہ کا بھی بیان ہے۔ داروغہ کفار سے پوچھے گا: ﴿اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۸﴾ ''کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟'' وہ کہیں گے: ﴿بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۹ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۱۰﴾ ''کیوں نہیں' ضرور ہدایت کرنے والا آیا تھا' لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور (اس سے) کہا کہ اللہ نے تو کچھ نازل نہیں کیا' تم تو بڑی گمراہی میں ہو۔ اور (کُفّار یہ بھی) کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔''

آیات ۱۳' ۱۴ میں اللہ ربّ العزت کے علم کے حوالے سے یہ عمدہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ''بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ'' بھی ہے اور ''عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' بھی' یعنی اللہ دل کے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ فرمایا:

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۱۳ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۱۴

''اور تم پوشیدہ بات کرو یا ظاہر۔ وہ (اللہ) تو دل کے خیالات تک سے واقف ہے۔ بھلا جس نے پیدا کیا' کیا وہ نہیں جانے گا؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور باخبر ہے۔''

دوسرے رکوع میں ایک آیت فلسفہ اور حکمت قرآنی کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ فرمایا: ﴿اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۲۲﴾ ''بھلا وہ شخص جو منہ کے بل گھسٹتا ہوا چل رہا ہے وہ سیدھے راستے پر ہے یا وہ جو سیدھا (سر اٹھائے) سیدھے راستے پر چلا جا رہا ہے''۔ اس آیت میں گویا ایک تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ ایک شخص اپنے راستے پر سیدھا چل رہا ہے اور اس کی نگاہ اس منزل پر جمی ہوئی ہے جہاں اُس کو پہنچنا ہے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو آخرت کے ماننے والے ہیں اور جو یہ جانتے ہیں کہ ان کا اصل گھر اور منزل آخرت ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ آخرت اور اُخروی زندگی کے منکر ہیں ان کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جو اوندھے منہ زمین پر گرا ہوا ہے اور منہ کے بل گھسٹ رہا ہے۔ ایسا شخص تو صرف حیوانی جبلتوں کی بنا پر زندہ ہے ورنہ حقیقت میں اس شخص کی زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی نصب العین☆۔

سُوْرَۃُ الْقَلَم

انتیسویں پارے کی دوسری سورۃ ''القلم'' ہے جس کی ابتدائی سات آیات کے بارے میں بہت سے محققین کی رائے یہ ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات (پہلی وحی) کے بعد نازل ہونے والی یہ آیات محمدٌ رسول

☆ اس سورۃ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں دو دو آیات ایک جیسے الفاظ سے شروع ہو رہی ہیں' مثلاً آیت ۱۶ ''ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ'' سے اور آیت ۱۷ ''اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ'' سے۔ اسی طرح آیت ۲۳ اور ۲۴ کی ابتدا ''قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ'' سے اور آیت ۲۸ اور ۳۰ کی ابتدا ''قُلْ اَرَءَیْتُمْ'' سے ہو رہی ہے۔ (مرتب)

اللہ ﷺ پر دوسری وحی کے طور پر نازل ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب پہلی وحی کا تذکرہ لوگوں سے کیا تو ان کو بہت عجیب لگا۔ اس لیے کہ اہلِ مکہ کے لیے نبوت و رسالت ایک بھولی بسری شے تھی۔ چنانچہ عام طور پر یہ چرچا ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اس شخص کے دماغ میں کوئی خلل یا فتور واقع ہو گیا ہے۔ اسی بنا پر لوگوں نے آپ کو مجنون اور سحر زدہ کہا جس سے حضور ﷺ کو رنج اور صدمہ ہوا۔ اسی حوالے سے آپ کی دلجوئی کے لیے یہ سات آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② ﴾ ''ن۔ قلم کی اور جو (اہلِ قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم! آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں''۔ نہ آپ سحر زدہ ہیں اور نہ ہی آپ کو خللِ دماغی کا کوئی عارضہ لاحق ہوا ہے۔ یہ گویا آپ کی دلجوئی کی جا رہی ہے۔ آیت ۳ میں آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا:﴿ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③ ﴾ ''اور آپ کے لیے تو یقیناً بڑا اجر ہے''۔ ایسا اجر جو کبھی منقطع نہ ہو گا یعنی آپ کو جنت کے سب سے بلند درجے کی خوشخبری دی جا رہی ہے اور یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اس وقت آپ کو جتنی اذیت ناک باتیں سننی پڑ رہی ہیں اتنے ہی آپ کے درجات بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

آیت ۴ میں فرمایا:﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ ﴾ ''اور آپ اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں''۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی مجنون اور سحر زدہ شخص اتنے اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ کا اعلیٰ اخلاق کا حامل ہونا عملاً آپ کے مجنون اور سحر زدہ ہونے کی نفی ہے۔ آیت ۵،۶ میں فرمایا:﴿ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ ﴾ ''عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ کافر بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کا دماغ پھر گیا ہے''۔ یعنی عنقریب اس سے پردہ اٹھ جائے گا کہ کہنے والے کا دماغ پھر گیا ہے یا (معاذ اللہ) محمد ﷺ کا۔ آیت ۷ میں فیصلہ کن انداز میں فرمایا جا رہا ہے:﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ ﴾ ''تمہارا ربّ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور ان کو بھی جو راہِ ہدایت پر ہیں۔''

آیات ۱۷ تا ۳۳ میں ''اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ'' یعنی باغ والوں کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند بھائیوں کو باپ کی وراثت سے پھلوں کا ایک باغ ملا۔ گھر کا سارا خرچہ اسی باغ کی آمدنی سے پورا ہوتا تھا۔ باپ کی یہ عادت تھی کہ جس دن باغ کا پھل توڑا جاتا تھا تو اس دن شہر بھر کے فقیروں کو بلایا جاتا اور انہیں کچھ نہ کچھ دے دیا جاتا تھا۔ باپ کے بعد بیٹوں نے فقیروں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ کیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ کل علی الصبح پھل توڑ لیں گے اور جب فقیر آئیں گے تو باغ کو خالی پائیں گے اور خالی ہاتھ لوٹ جائیں گے۔ اپنے اس منصوبے اور تدبیر پر انہیں اتنا یقین تھا کہ انہوں نے ''ان شاء اللہ'' بھی نہیں کہا۔ آخر رات کو اللہ کا عذاب آیا اور سارا باغ ملیا میٹ ہو گیا۔ پھر انہوں نے اپنے کیے ہوئے پر افسوس کرتے ہوئے کہا:﴿ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ㉙ ...... يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ㉛ ﴾ ''پاک ہے ہمارا پروردگار، ہم تو خود ہی ظالم ہیں...... ہم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہیں''۔ آخر میں فرمایا:﴿ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ㉝ ﴾ ''یوں ہی آتی ہے آفت۔ اور آخرت کی آفت تو بہت بڑی (اور خطرناک) ہے۔ کاش ان (کفّار) کو سمجھ ہوتی!''

دوسرے رکوع میں قیامت کے سلسلہ میں عجیب انداز میں ایک دلیل آئی ہے۔ فرمایا گیا:

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ؕ﴿۳۵﴾ مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿ۚ۳۶﴾

''کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو سرکشوں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسی باتیں کرتے ہو؟''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت اور حساب کتاب کا دن برحق ہے۔ اگر آخرت نہ ہو تو پھر تو سب برابر ہی رہیں گے' بلکہ سرکش زیادہ فائدے میں رہیں گے کہ وہ تو اس دنیا میں بھی خوب عیش کرتے رہے اور گلچھرے اڑاتے رہے۔ اور نیکو کار جو پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے' صحیح و غلط اور جائز و ناجائز کی تمیز کرتے رہے' وہ تو گھاٹے میں رہ جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اندھیر نگری چوپٹ راج۔ جبکہ اللہ کی لاٹھی اندھے کی لاٹھی نہیں ہے بلکہ وہاں اعمال کے حساب سے فیصلہ ہوگا بایں طور کہ سرکش جہنم کی آگ میں اور فرمانبردار نعمت کے باغات میں ہوں گے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ ان منکرین کی جانب توجہ مبذول نہ کریں بلکہ اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے رہیں' ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ فرمایا:

فَذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ یُّکَذِّبُ بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۴۴﴾ وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۴۵﴾

''(اے نبی ﷺ!) مجھے اور اس کلام کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجیے۔ ہم ان کو (عذاب میں جھونکنے کے لیے) آہستہ آہستہ ایسے لے آئیں گے کہ ان کو گمان تک نہ ہوگا۔ اور ابھی میں ان کی رسی دراز کیے ہوئے ہوں' جبکہ میری چال بڑی مضبوط ہے۔''

آیت ۴۸ میں حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دے کر آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ ان کی طرح جلدی مت کیجیے۔ فرمایا: ﴿فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰی وَ ہُوَ مَکۡظُوۡمٌ ﴿ؕ۴۸﴾﴾

''اپنے ربّ کے فیصلے کا انتظار کیجیے اور مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہونا۔ جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور وہ غم سے گھٹ رہا تھا۔''

آیت ۵۱ میں ایک بہت عجیب بات کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿ۘ۵۱﴾

''اور کافر جب یہ نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ یہ آپؐ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو دیوانہ ہے۔''

آج کل بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کچھ نفسیاتی ریاضتوں اور مشقتوں کے ذریعہ اپنی نگاہوں کے اندر قوتِ ارادی پیدا کر کے کسی کی قوتِ ارادی کو مسخر کرنا جانتے ہوں۔ یہ ایک فن ہے اور اس آیت سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ داؤ بھی نبی اکرم ﷺ پر آزمایا گیا تھا۔

سُوْرَۃُ الْحَآقَّۃ

اس سورۃ کی ابتدائی ۱۲ آیات میں سابقہ اقوام میں سے قوم ثمود‘ قوم عاد اور فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ ان اقوام نے کفر کی روش اختیار کی تو انہیں اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب نے تہس نہس کر دیا۔ آگے آیات ۱۳ تا ۱۸ میں قیامت کا مرحلہ وار تذکرہ ہے اور اس کے بعد آیات ۱۹ تا ۳۷ میں جنت اور جہنم والوں کے معیار (یعنی اس دن جنتی اور جہنمی کا فیصلہ کیسے ہوگا) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ
حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا
بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ
كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ
عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾

’’اُس دن جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا‘ وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ اعمال پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب کتاب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص من پسند عیش میں ہوگا۔ (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں‘ جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (اور ان سے کہا جائے گا کہ) جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا‘ اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش موت (ابدالآباد کے لیے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی (آج) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔ (ہائے) میری سلطنت خاک میں مل گئی۔ (حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو‘ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو۔‘‘

اس سورۃ کا دوسرا رکوع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ بظاہر اس میں حضورﷺ سے خطاب کر کے کچھ باتیں کہی گئی ہیں‘ لیکن دراصل یہ منکرین اور معترضین کو جوابات دیے گئے ہیں۔ فرمایا:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ
قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ
تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾
وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾

’’میں قسم کھاتا ہوں اس کی بھی جو تم دیکھتے ہو اور اس کی بھی جو تم نہیں دیکھتے (یعنی عالم غیب کی اشیاء) کہ یہ قرآن تو دراصل ایک عالی مقام فرشتے (جبرائیلؑ) کا پہنچایا ہوا ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں ہے۔ یقیناً کم ہی ہیں جو تم میں سے ایمان لاتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کہا ہوا ہے۔ یقیناً کم ہی ہیں جو تم

میں سے نصیحت اخذ کرتے ہیں۔ اس کا نزول تو اس ذات کی طرف سے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اگر یہ (محمد ﷺ) اپنی طرف سے کوئی بات کہہ کر ہماری جانب منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے اور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی نہ ہوتا جو ہمیں (ایسا کرنے سے) روک سکتا۔ اور یہ (قرآن) تو دراصل یاددہانی ہے اہلِ تقویٰ کے لیے۔ اور ہم جانتے ہیں ان کو جو تم میں سے اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ اور یہ قرآن قیامت کے دن کفار کے حق میں حسرت بن کر آئے گا۔ (یہی بات حضور اکرم ﷺ نے بایں الفاظ فرمائی ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ کہ یہ قرآن یا تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف)۔ اور یہ حق ہے کہ اس پر پورا یقین کیا جائے۔ پس تسبیح کرو اپنے رب کی جو بڑی عظمت والا ہے۔''

سُوْرَةُ الْمَعَارِج

سورۃ المعارج کی پہلی آیت میں عذاب کے واقع ہونے کے بارے میں کسی پوچھنے والے کے سوال کا ذکر ہے اور اگلی آیات میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ فرمایا:

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

''ایک عذاب طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو واقع ہو کر رہے گا کافروں پر اور اس عذاب کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا۔ (اور یہ عذاب) اللہ صاحب درجات کی طرف سے ہوگا۔''

آیات ۱۱ تا ۱۸ میں قیامت کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا صلہ ملے گا' نیک لوگوں کو جنت کے باغات کی صورت میں اور سرکش لوگوں کو جہنم کی آگ کی صورت میں۔ فرمایا:

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ
اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

''......اور کوئی دوست کسی دوست کا پُرسانِ حال نہ ہوگا' (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے' اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی' اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا' اور جتنے آدمی زمین میں ہیں سب کو فدیے میں دے دے اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے' کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دینِ حق سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا۔ اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا۔''

آیات ۱۹ تا ۲۱ میں انسان کی ایک فطرتی خصلت کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کیا گیا ہے کہ انسان کم حوصلے والا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾

’’کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔ اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔‘‘

اس کے بعد آیات ۲۲ تا ۳۵ میں انسان کی تعمیرِ سیرت کے حوالہ سے اساسی چیزوں اور اہلِ جنت کی صفات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ فرمایا:

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ﴿٢٤﴾
لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ
مُشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ
أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

’’مگر وہ نماز پڑھنے والے (ایسے نہیں) جو اپنی نماز کے پابند ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے کا اور محروم کا۔ اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں‘ سوائے اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں۔ اور جو لوگ ان کے علاوہ کسی اور کے طلب گار ہوں پس وہی ہیں جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔ اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ بہشت میں عزت واکرام سے ہوں گے۔‘‘

سُورَةُ نُوح

سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور پھر ان کی قوم کی ہٹ دھرمی کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس ضمن میں حضرت نوح علیہ السلام کی دو دعاؤں کا تذکرہ ہے جو خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں۔ ایک دعا میں وہ فریاد کے طور پر بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے ہیں:

رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ
لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾
ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا
رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾

’’اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو پکارا رات کو بھی اور دن کو بھی۔ لیکن میرے پکارنے نے ان کے

(دینِ حق سے) گریز ہی میں اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا (کہ توبہ کریں) اور تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں (اپنے اوپر) لپیٹ لیں اور (اپنی ضد پر) اڑے رہے اور انتہائی درجے کا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی پکارا' پھر میں نے بہ بانگِ دُہل بھی ان کو دعوت پہنچائی اور علیحدہ علیحدہ خفیہ طور پر بھی۔ اور میں نے ان سے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بہت معاف کرنے والا ہے (لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے رہے)۔''

آیات ۱۳ تا ۲۰ میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ایک ایک انعاماتِ الٰہیہ گنوا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ ان انعامات کے باوجود تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

''تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) پر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا تا کہ تم اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔''

آیات ۲۶ تا ۲۸ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری دعا کا تذکرہ ہے اور یہ دعا ایسے سخت الفاظ پر مشتمل ہے کہ شاید ہی کسی اور رسول کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے ہوں۔ اپنی قوم کے بارے میں اتنی سخت دعا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کے لوگوں کو دن رات دعوت دی اور اس طویل عرصے کی دعوت کے نتیجے میں صرف چند لوگ ہی ایمان لائے۔ قوم کی اس ہٹ دھرمی کا اثر ان کی طبیعت کے اندر موجود تھا' تو انہوں نے یوں دعا کی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝

''اے پروردگار! اس زمین پر ایک بھی کافروں کا گھر بستا نہ چھوڑ۔ اس لیے کہ اگر تو نے (ایک گھر بھی ان کا) چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔ اے میرے پروردگار! میری اور میرے والدین کی اور اہلِ ایمان میں سے جو کوئی بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے' ان کی مغفرت فرما دے اور ظالموں کے لیے تباہی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔''

اگرچہ رسول نوعِ انسانی کے ہر فرد کے لیے شفیق ہوتا ہے لیکن لوگوں کے مسلسل انکار‘ اعراض اور استہزاء کا حضرت نوح علیہ السلام کی طبیعت پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ ان کی دعا میں غضب کی کیفیت عیاں ہے۔

سُورَۃُ الجِنّ

سورۃ الجن میں جنوں کی ایک جماعت کا ذکر آیا ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا اور واپس جا کر اپنی قوم میں اس کا ذکر کیا اور ان کو دعوت پیش کی۔ اسی واقعہ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ”الجِنّ“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپؐ کو اس پورے واقعے کی خبر دی۔ فرمایا:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾

”(اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے اور وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔ اور یہ کہ ہمارا بے وقوف (سردار ابلیس) اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہتا رہا ہے۔“

آیات ۱۲ تا ۱۵ میں مذکور ہے کہ جنوں کی اس جماعت نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے آخر میں بہت خوبصورت انداز میں کہا:

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

”اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی اس پر ایمان لے آئے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔ اور یہ کہ ہم میں بعض فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں۔ تو جو فرمانبردار ہوئے انہوں نے بھلائی کی راہ ڈھونڈ لی۔ اور جو گنہگار ہیں وہ دوزخ کا ایندھن (بننے والے) ہیں۔“

اس سورۃ کی آیت ۱۸ میں شعائرِ اسلام میں سے مساجد کا ذکر ہوا ہے: ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾﴾ ”اور یہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو“ —— مساجد اسلامی شعائر میں سے ہیں۔ اسلامی تہذیب وتمدن میں مسجد معاشرت کی تنظیم کی بنیاد ہے‘ بایں معنی کہ ایک علاقے میں پنج وقتہ نماز ہو رہی ہے‘ لوگ جمع ہوتے ہیں‘ پھر جب کوئی نمازی نہیں آتا تو لوگوں کو تشویش ہونی چاہیے کہ آج

فلاں صاحب نہیں آئے‘ آ ؤ چل کر پتا کریں۔ان مساجد کو تو معاشرتی رابطے (social contact) کا ذریعہ بننا چاہیے۔ یہ نہیں کہ نماز کے لیے آئے‘ نہ کسی کو دیکھا نہ کسی سے کچھ پوچھا‘ نہ کسی کی کوئی مزاج پرسی کی‘ بس سلام پھیرا اور چلے گئے۔ نبی اکرم ﷺ تو نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور صحابہ کرام ؓ سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے۔ دراصل ہمارے ہاں مسجد کا نظام ان ہی چیزوں پر مبنی ہے۔

آیات ۲۶'۲۵ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے وقوع کا علم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو ہے اور اللہ ہی صرف عالم الغیب ہے۔فرمایا:

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

’’(اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ نزدیک ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔غیب کا جاننے والا وہی ہے‘ سو وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔‘‘

اگلی آیات میں ایک استثناء بیان کیا گیا ہے کہ اپنے جس پیغمبر کے لیے وہ پسند کرتا ہے اپنے علم غیب میں سے جس قدر چاہتا ہے اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

❁❁❁

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست